نقد و نظر

طالب علم کی ڈائری :۔ مصنفہ سید الطاف علی صاحب بریلوی بی اے (علیگ) مع مقدمہ از ڈاکٹر عترت حسین صاحب زبیری، سائز ۲۲×۱۸/۱۶، صفحات دو سو، قیمت تین روپے، شائع کردہ، اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، سعیدہ منزل، بی روڈ، ناظم آباد کراچی ۱۸۔

سید صاحب میرے ہم وطن بھی ہیں اور دوست بھی، سرشت اور افتاد طبع کے لحاظ سے ہم دونوں میں بُعد المشرقین ہے میں ایک خیالی پلاؤ پکانے والا اور نو من تیل کے انتظار میں زندگی کے لمحات گزارنے والا انسان ہوں، برعکس اس، سید صاحب عملی اور سرتاپا عملی آدمی ہیں، ان کی پوری زندگی "کردم و شد" کی جیتی جاگتی تصویر ہے، وہ کہتے ہیں تیل کا انتظار مت کر، رادھا کو نچانا شروع کردو، جب لوگ رادھا کو دیکھیں گے، تیل خود بخود جمع ہونا شروع ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے چند سال ہوئے کالج قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو بے پیسے کے سرسید گرلز کالج قائم کردیا۔ اور آج یہ کالج سارے پاکستان میں مشہور ہے، اور میں نے ۱۹۲۰ء میں قرآن حکیم کے انگریزی ترجمے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن چالیس سال بیت گئے ابھی تک پہلا پارہ شائع نہیں ہوا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ میرا زاویۂ نگاہ غلط ہے اور چالیس سال کی مدت اس غلطی پر شاہد عدل ہے تیل تو اسی وقت جمع ہوگا جب رادھا پشواز پہن کر صحیح ناچنے کھڑی ہو جائے گی اور مجمع کو محوِ حیرت بنا دے گی۔

میری تو نو من تیل کے انتظار میں بہت کچھ کٹ گئی ہے اور جو باقی رہ گئی ہے وہ بھی اسی طرح کٹ جائیگی، خدا سے دعا ہے کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان کے ہر شہر میں کم از کم ایک الطاف علی تو ضرور پیدا ہو جائے، جو مسلمانوں کے لئے ایک زنانہ اور ایک مردانہ کالج قائم کردے، تاکہ وہ عیسائی کالجوں میں داخل ہو کر مجبوراً بائبل پڑھنے کی ذہنی اذیت سے نجات حاصل کر سکیں،

سید صاحب کی یہ تصنیف دراصل ایک کشکول ہے، جس میں انہوں نے مختلف النوع اشیاء جمع کر دی ہیں، لیکن ہر شئے بجائے خود بہت دلچسپ ہے، اسی لئے جب تک پوری کتاب ختم نہ ہو جائے، کوئی صاحب ذوق آدمی اُسے ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا۔

سب سے پہلے سید صاحب نے اپنے والد مرحوم کی زندگی کے بعض واقعات بیان کئے ہیں، جن میں لکڑی چلانا (پھنکیتی کا فن) نمایاں حیثیت رکھتا ہے، واضح ہو کہ آج سے اسی سال پہلے تک بریلی بلکہ روھیلکھنڈ کا ہر مسلمان پھنکیتی، کشتی، بانک بنوٹ، اور لکڑی چلانے سے تھوڑا بہت ضرور واقف ہوتا تھا۔ اور چونکہ ان فنوں کے لئے جسمانی طاقت شرط ہے (جس طرح ریل میں سفر کرنے کے لئے ٹکٹ خریدنا یا نماز کے لئے وضو کرنا) اس لئے ہر مسلمان نماز سے پہلے سو پچاس ڈنڈ بھی ضرور کر لیتا تھا۔

میرے والد مرحوم منشی محمد عیسیٰ خان صاحب اور سید صاحب کے والد مرحوم سید اسحٰق علی صاحب دونوں نے

بدایوں کے مشہور استاد سے بنوٹ سیکھا تھا، یہ آج سے اسی سال پہلے کی بات ہے جب جسمانی طاقت کو لازمۂ حیات سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب پاکستان کا مسلمان لکڑی تو کیا چلائے گا۔ واکنگ سٹک کا بار بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اور صبح کو ڈنڈ تو کیا پیلے گا۔ وہ "بیڈ ٹی" کے بغیر بستر سے اٹھ نہیں سکتا۔ اب رہی نماز فجر، تو جب ایک آدمی رات کو دو بجے صبح "کلچرل شو" سے واپس آئے گا۔ تو قارئین خود فیصلہ کریں کہ وہ پانچ بجے صبح کیسے اٹھ سکتا ہے، اکبر الہ آبادی خدا انہیں جنت نصیب کرے، کیسی پتہ کی بات کہہ گئے ہیں،

مؤذن سے سوا بیدار کُن انجن کی سیٹی ہے
اسی پر شیخ بیچارے نے جپاتی اپنی پیٹی ہے
کہاں باقی رہے ہم میں وہ اوراد سحر گاہی
وظیفے کی جگہ اب پانیئر یا آئی ڈی ٹی ہے[3]

اس کے بعد طالب علم کی ڈائری شروع ہوتی ہے۔ جس میں انہوں نے ۱۶ اگست ۱۹۳۴ء سے لے کر ۲ دسمبر ۱۹۳۴ء تک اپنا روزنامچہ مرتب کیا ہے۔ اس روزنامچہ میں ایک جگہ انہوں نے یہ لکھا ہے" پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے ملاقات ہوئی اور اُن سے عرش (مرحوم) کے کلام کی بابت باتیں ہوئیں" اس سلسلہ میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ عرش مرحوم جن کا نام اعتماد الدین احمد فاروقی تھا۔ ان بدقسمت نوجوانوں میں سے تھے جو دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں لے کر اس دار الغرور[1] (فریب خانہ) میں آتے ہیں اور قدرت کی ستم ظریفی کی بنا پر پورے ماحول کو برسر جنگ پاتے ہیں اور چونکہ یکہ و تنہا، بے یار و مددگار، بے زر، بے پر، اور بیکس ہوتے ہیں، اس لئے ساری عمر کڑھتے رہتے ہیں، بلکہ خون جگر پیتے رہتے ہیں، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور آخر الامر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے ختم ہو جاتے ہیں، کسی میں یہ ہمت نہیں کہ خالق کائنات سے اس کی لِم دریافت کر سکے[2]

عرش مرحوم فطری شاعر تھے۔ علم و ادب اور شعر و سخن کا ذوق ننھیال سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے نانا مولوی عنایت علی مرحوم اور پرنانا مولوی ہدایت علی مرحوم بریلی کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے، آخر الذکر، خاتم الحکماء علامۂ وقت، فرید الدہر وحید العصر مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم و مغفور کے ارشد تلامذہ میں سے تھے،

عرش مرحوم ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے تھے، یعنی مجھ سے نو سال چھوٹے تھے، میری اُن کی ملاقات ۱۹۲۳ء میں ہوئی اور چونکہ میں نے ان کی شاعرانہ قابلیتوں کو اُجاگر کرنے میں حتی المقدور کوشش کی اس لئے وہ مجھ سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ میں ہر سال کالج کی تعطیلات (جولائی، اگست، ستمبر) بریلی میں بسر کرتا تھا۔ اور وہ اس زمانے میں بلا ناغہ روزانہ شام کے وقت میرے گھر آیا کرتے تھے۔ اور شعر و سخن کی محفل جمتی تھی، اور یہ سلسلہ ۱۱-۱۲ بجے رات تک جاری رہتا تھا۔

تاریخ گوئی اور بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے بعد ان کے برابر زود گو اور بدیہہ گو شاعر میں نے

---

۱ ما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور (۳/۱۸۵) نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر دھوکہ کی پونجی ۱۲

۲ ع خود بتا نہیں سکتی کہ ماجرا کیا ہے، (اقبال) ۳ یہ یوپی میں دو انگریزی اخبار ہیں،

آج تک نہیں دیکھا۔ ان کی زبان سے تازہ بتازہ نو بنو اشعار اسی طرح سرزد ہوتے رہتے تھے، جس طرح شعاعیں آفتاب سے بلا زحمت و مشقت سرزد ہوتی رہتی ہیں، ان کا بہت سا کلام میرے پاس محفوظ تھا۔ لیکن اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جب دریائے راوی کا پانی سیلاب بن کر، میرے مکان واقع کرشن نگر، لاہور میں داخل ہوا۔ تو جتنی کتابیں پانچ فٹ سے نیچے نیچے تھیں سب غرقاب ہوگئیں، اور انہی میں عرش کی غزلوں اور نظموں کا مسودہ بھی ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اور یہ بات ہے بھی ٹھیک! جب قدرت نے عرش کو یوں مٹا دیا، تو اس کے کلام کو دُنیا میں باقی رہنے کا کیا حق تھا۔؟ مرحوم کا ایک شعر مجھے بہت پسند ہے۔ آپ بھی سُن لیں،

زندگی کیا ہے؟ ایک دھوکا ہے
اور اس پر مِٹا ہوا ہوں میں

اس شعر میں معنوی خوبی یہ ہے کہ یہ شعر قرآن حکیم کی اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے،
"ما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور" نہیں ہے دُنیا کی زندگی مگر دھوکے کی پونجی،
اقبال نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے،

کیا ہے تو نے "متاعِ غرور" کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ

چونکہ اندیشہ ہے کہ کتاب کا ریویو عرش مرحوم کی لائف نہ بن جائے اس لئے یہ کہہ کر اس داستان کو ختم کرتا ہوں، کہ مرحوم اکتوبر ۱۹۲۶ء میں ساغر زندگی کی تلخی کی تاب نہ لا کر، صرف ۲۴ سال کی عمر میں دُنیا کے اسٹیج سے EXIT ہوگیا۔ اور اپنی ماں اور بہن کو زندہ درگور کر گیا۔

ڈائری کے بعد ایک شریف خاتون کی داستانِ حیات بطرزِ ناول قلمبند کی ہے، جو واقعی بڑی دلچسپ اور بڑی سبق آموز ہے۔ اور میرے خیال میں کتاب کی قیمت صرف اسی داستان سے وصول ہو جاتی ہے،

آخری حصے میں اپنی زندگی کے بعض تجربوں کو بیلنس شیٹ کے نام سے پیش کیا ہے۔ اور اس جدت طرازی پہ بے اختیار الطاف علی کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن وہ اب ان رسمی باتوں سے بہت بالاتر ہوگئے ہیں، خدا کرے کہ وہ تادم آخر اسی طرح قوم کی خدمت کرتے رہیں اور تحسینِ احباب سے یکسر بے نیاز رہیں۔ خدمت خود تحسین ہے،

شائقین ۲؍ کے ٹکٹ بھیج کر دفتر رسالہ ندائے حق ۳۲ اونکار روڈ کرشن نگر لاہور سے عصائے موسوی بجواب حدیث پرویز ۲
جناب پرویز صاحب کے رسالہ موسومہ اندھے کی لکڑی کا جواب از پروفیسر عباسی صاحب منگوا سکتے ہیں،